باب

الامارت والسیاست

خلیفہ وقت کی اجرت

خلیفہ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے۔ شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گذارہ بیت المال سے لے لے‘ لیکن کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو سکے تو وہ زیادہ پسند ہے۔

(سورہ سبا آیت ۱۰)(معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۶۳)

خلافِ شرع کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں

اگر تم لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ کرو۔ اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اولی الامر کی اطاعت کی تعلیم دی۔ اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ امیر اگر عدل پر قائم ہے۔ تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ اور اگر وہ عدل و انصاف کو چھوڑ کر خلاف شرع احکام صادر کرے تو ان میں امیر کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ یعنی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی لازم

آتی ہو۔“ (سورہ نساء آیت ۵۸) معارف القرآن حصہ دوم ص ۴۵۳

کسی سرکاری عہدہ کا خود طلب کرنا

مسئلہ : کسی سرکاری عہدہ اور منصب کو خود طلب کرنا جائز نہیں مگر جب یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کر سکے گا اور اپنے بارے میں اندازہ ہو کہ عہدہ کا کام اچھا انجام دے سکے گا اور گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ ایسی حالت میں عہدہ کا خود طلب کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ : کافر یا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے۔

(سورہ یوسف آیت ۵) معارف القرآن ص ۸۷ تا ۷۹)

مسئلہ : حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری رکھنا ضروری ہے۔ (سورہ نمل آیت ۲)(معارف القرآن ص ۵۷۰ ج ۶)

کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے؟

مسئلہ : صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ اِمْرَأَۃً۔ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اسی لیے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر برقرار رکھا

اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جا سکے۔

مشرکین کو خط لکھنا اور ان کے پاس بھیجنا جائز ہے

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لیے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ہر مجلس میں چاہیئے اگرچہ وہ مجلس کفار ہی کی ہو

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھایا کہ خط ملکہ سباء کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے۔ بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے۔ اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ (سورہ سبا آیت ۲۰ تا ۳۸)

معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۷۱ تا ۵۷۴۔

دو قومی نظریہ

مذہب کی بناء پر قومیت کی تقسیم مسلم وغیرہ مسلم کا دو قومی نظریہ عین منشاء قرآنی کے مطابق ہے آیت فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ اس پر شاہد ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام میں دو قومی نظریہ کی اصل بنیاد در حقیقت صحیح متحدہ قومیت پیدا کرنے پر ہے جو ابتدا آفرینش میں قائم تھی۔ جس کی بنیاد وطنیت پر نہ تھی بلکہ عقیدہ دین اور دین حق کی پیروی تھی ارشاد قرآنی كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً نے بتلایا کہ ابتدا عالم میں اعتقاد صحیح اور دین حق کی پیروی کے اعتبار سے ایک صحیح اور حقیقی وحدت قومی قائم

تھی۔ بعد میں لوگوں نے اختلافات پیدا کئے۔ انبیاء نے لوگوں کو اسی اصلی وحدت کی طرف بلایا جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا وہ اس متحدہ قومیت سے کٹ گئے اور جداگانہ قوم قرار دیئے گئے۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۳) معارف القرآن ص ۵۰۸ ج ۱)

مسئلہ : مؤمن و کافر میں رشتۂ اخوت نہیں ہو سکتا وطنی یا نسبی بنیاد پر قومیت کی تعمیر اصول اسلام سے بغاوت ہے (سورہ ھود آیت ۴۷) (معارف القرآن ج ۴ ص ۶۳)

حکومت کا غذائی کنٹرول

جب کسی ملک میں اقتصادی حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ اگر حکومت نظم قائم نہ کرے تو بہت سے لوگ اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہو جائیں تو حکومت ایسی چیزوں کو اپنے نظم اور کنٹرول میں لے سکتی ہے۔ اور غلّہ کی مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے حضرات فقہاء کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (سورہ یوسف آیت ۴۳)

(معارف القرآن ص ۸۷ ج ۵)

دستور مملکت کی چند اہم دفعات

اول :۔ یہ کہ آسمان اور زمین میں اقتدار اعلیٰ اللہ جل مجدہ کا ہے۔

دوسرے :۔ یہ کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تنفیذ کے لیے اس کا نائب و خلیفہ اس کا رسولؐ ہوتا ہے اور یقینی طور پر یہ واضح ہو گیا کہ خلافت الٰہیہ کا سلسلہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا تو اب خلافت رسولؐ کا سلسلہ اس کے قائم مقام ہوا اور اس خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔ (سورۃ البقرہ آیت ۳۰)

(معارف القرآن ص ۱۸۶ ج ۱)

مغربی جمہوریت اور اسلامی شورائیت میں فرق

عام جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد اور خود مختار ہیں۔

محض اپنی رائے سے جو چاہیں اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں۔ اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کو ملا ہے اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں اور جس شخص کو یہ منتخب کریں۔ اس کے لیے بھی کچھ حدود و قیود ہیں۔ پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہو سکتی ہے اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو کوئی اختیار نہیں۔

(البقرۃ آیت ۳۰)(معارف القرآن ص ۱۸۶ ج ۱)

اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے

اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے' امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے۔ خاندانی وراثت سے نہیں' آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جا چکا ہے' شخصی بادشاہتیں بھی طوعاً و کرہاً اسی طرف آ رہی ہیں' لیکن اب سے چودہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھئے جب کہ پوری دنیا پر آج کے تین برّوں کی جگہ دو برّوں کی حکومت تھی' ایک کسریٰ' دوسرا قیصر' اور ان دونوں کے آئین حکومت شخصی اور وراثتی بادشاہت ہونے میں مشترک تھے۔ جن میں ایک شخص واحد لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت و صلاحیت سے نہیں' بلکہ وراثت کے ظالمانہ اصولوں کی بناء پر حکومت کرتا تھا اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی انعام سمجھا جاتا تھا' یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلط تھا' صرف یونان میں جمہوریت کے چند دھندلے اور ناتمام نقوش پائے جاتے تھے' لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مدھم تھے کہ ان پر کسی مملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا' اسی وجہ سے جمہوریت کے ان یونانی اصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکی' بلکہ وہ اصول ارسطو کے فلسفہ کی ایک شاخ بن کر رہ گئے۔ اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں وراثت کا غیر فطری اصول باطل کر کے امیر مملکت کا عزل و نصب جمہور کے اختیار میں دے دیا جس کو وہ اپنے نمائندوں اہل حل وعقد کے ذریعہ استعمال کر سکیں' بادشاہ پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات

ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی۔ اور یہی روح ہے اس طرز حکومت کی' جس کو آج جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن موجودہ طرز کی جمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم و ستم کے ردّ عمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب و دماغ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا اور اس کی اصلی مالکیت و حکومت کے تصور سے بھی بیگانہ ہو گئے اب ان کی جمہوریت خدا تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر خدا تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلافِ انصاف تصور کرنے لگیں۔

اسلامی آئین نے جس طرح خلق خدا کو کسریٰ و قیصر اور دوسری شخصی بادشاہتوں کے جبر و استبداد کے پنجہ سے نجات دلائی۔ اسی طرح ناخدا آشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خدا شناسی' اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا کہ ملک کے حکام ہوں' یا عوام' خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات' قانون سازی' عزل و نصب خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رہیں' ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور منصبوں کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں۔ تو دوسری طرف ان کی دیانت و امانت کو پرکھیں' اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم' تقویٰ' دیانت' امانت' صلاحیت' اور سیاسی تجربہ میں سب سے بہتر ہو' پھر یہ امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں' بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے' قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تعامل اس پر شاہد عدل ہیں' حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے:

لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشُوْرَةٍ "یعنی شورائیت کے بغیر خلافت نہیں ہے

(کنز العمال بحوالہ (ابن ابی شیبۃ)

شورائیت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لیے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہو جائے' یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے۔

ذکر ابن عطیہ ان الشوریٰ من قواعد الشریعۃ والدین فعزلہ واجب' ھذا مالا خلاف لہٗ۔ (البحر المحیط لابی حیان)

"ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ شورائیت شریعت کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے جو امیر کہ اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے' اس کا عزل کرنا واجب ہے' اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔"

مشورہ کے ضروری ہونے سے اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں پر جو ثمرات اور برکات حاصل ہوں گے' اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کو رحمت سے تعبیر فرمایا' ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اس مشورہ کی حاجت نہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے لیے ایک رحمت بنایا ہے۔ (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اپنے رسولؐ کو ہر کام بذریعہ وحی بتلا دیتا' کسی کام میں بھی مشورہ کی ضرورت نہ چھوڑتا' لیکن امت کی مصلحت اس میں تھی کہ آپؐ کے ذریعہ مشورہ کی سنت جاری کرائی جائے' اس لیے بہت سے امور ایسے چھوڑ دیئے جن میں صراحۃً کوئی وحی نازل نہیں ہوئی' ان میں آپؐ کو مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

پانچواں مسئلہ : مشورہ میں اختلاف رائے ہو جائے' تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی

مسئلہ میں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اصول پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہو گا' یا اس کو اختیار ہو گا کہ اکثریت ہو یا اقلیت جس طرح دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اس کو اختیار کرے؟ قرآن و حدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے کی صورت میں امر اکثریت رائے کے فیصلہ کا پابند و مجبور ہے' بلکہ

قرآن کریم کے بعض اشارات اور حدیث اور تعامل صحابہ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے' خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے' البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا۔ اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لیے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں غور فرمائیے' اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی مشورہ کے بعد آپؐ جب کسی جانب کو طے کر کے عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے۔ اس میں عَزَمْتَ کے لفظ میں عزم یعنی نفاذ حکم کا پختہ ارادہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا' عَزَمْتُمْ نہیں فرمایا جس سے عزم و تنفیذ میں صحابہ کی شرکت معلوم ہوتی' اس کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے' حضرت عمر بن الخطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے' حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے' جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی رائے کو جمہور صحابہ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے' حتیٰ کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے لیے نازل ہوئی۔ حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے:۔

عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) قال ابوبکر و عمرؓ (ابن کثیر)

"ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شَاوِرْهُمْ کی ضمیر سے مراد حضرات شیخینؓ ہیں۔"

کلبی کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے:

عن ابن عباسؓ قال نَزَلَتْ فی ابی بکر و عمر و کانا حواریی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وزیریہ و ابوی المسلمین (ابن کثیر)

"ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے' یہ دونوں حضرات جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی اور وزیر تھے' اور مسلمانوں کے مربی تھے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات شیخینؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا :

لواجتمعتمافی مشورۃماخالفتکما۔

(ابن کثیر بحوالہ مسند احمد)

"جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔"

ایک اشکال اور اس کا جواب

مسئلہ : یہاں یہ اشکال کیا جا سکتا ہے کہ یہ تو جمہوریت کے منافی ہے' اور شخصی حکومت کا طرز ہے' اور اس سے جمہور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی رعایت پہلے کر لی ہے' کیونکہ عوام کو یہ اختیار ہی نہیں دیا کہ جس کو چاہیں امیر بنا دیں بلکہ ان پر لازم قرار دیا ہے کہ علم و عمل اور صلاحیت کار اور خدا ترسی اور دیانت کی رو سے جس شخص کو سب سے بہتر سمجھیں صرف اس کو امیر منتخب کریں تو جس شخص کو ان اعلیٰ اوصاف اور اعلیٰ صفات کے تحت منتخب کیا گیا ہو' اس پر ایسی پابندیاں عائد کرنا جو بد دیانت اور فساق' فجار پر عائد کی جاتی ہیں عقل و انصاف کا خون کرنا' اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور ملک و ملت کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مرادف ہو گا۔

چھٹا مسئلہ : : ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا

اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے اہم امور میں

تدبیر اور مشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل و رائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو۔ بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو' کیونکہ یہ سب تدبیر مدبر الامور کے قبضہ قدرت میں ہیں' انسان کیا اور اس کی رائے و تدبیر کیا' ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے' مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے۔

خویش رادیدیم ورسوائی خویش
امتحان ما مکن اے شاہ بیش

(سورۂ آل عمران آیت ۱۵۹)

(معارف القرآن ج ۱ ص ۳۲۳ تا ۳۲۶)

باب

الجہاد والقتال

جہاد کے متعلّق مسائل

مسئلہ : لنگڑے، لُنجے، اندھے، بیمار اور دیگر معذور شرعی لوگوں پر جہاد فرض نہیں ہے۔(سورۂ نساء آیت ۹۵)

(معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۲۴)

مسئلہ : جب تک جہاد فرض کفایہ ہو اولاد کو بغیر ماں باپ کی اجازت کے جہاد میں جانا جائز نہیں۔

مسئلہ : جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو اس کے لیے جب تک قرض ادا نہ کر دے اس فرض کفایہ میں حصہ لینا درست نہیں۔ ہاں اگر کسی وقت نفیر عام کے سبب یا کفار کے نرغہ کے باعث جہاد سب پر فرض عین ہو جائے تو اس وقت نہ والدین کی اجازت شرط ہے نہ شوہر کی نہ قرض خواہ کی۔(البقرۃ آیت ۲۱۸)(معارف القرآن ص ۵۱۸ ج ۱)

مسئلہ : جہاد کے لیے اسلحہ اور سامان حرب کی تیاری فرض ہے۔(سورۂ انفال آیت ۶۰)

(معارف القرآن ج ۴ ص ۲۷۲)

جہاد و قتال کے احکام

مسئلہ : حرم مکہ میں انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر

حرم محترم میں کوئی آدمی دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتال کر جائز ہے اس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ : ابتداء جہاد و قتال کی ممانعت صرف مسجد حرام کے آس پاس حرم مکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے مقامات میں جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے۔ اسی طرح ابتدائی جہاد و قتال بھی درست ہے۔(سورۃ البقرہ آیت ۱۹۱)(معارف القرآن حصہ اول ص ۴۷۱)

ہجرت کا بیان

مسئلہ : جس دارا لکفر میں عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض و واجب تو نہیں۔ مگر مستحب بہر حال ہے۔ اور اس میں دارا لکفر ہونا بھی ضروری نہیں۔ دارا لفسق جہاں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی اعلانا ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگرچہ وہاں کے حکمران کے مسلمان ہونے کی بناء پر اس کو دارالاسلام کہا جاتا ہو۔

مسئلہ : جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو اور وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی پر مجبور ہو وہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے شہر یا ملک میں جہاں دین پر عمل کی آزادی ہو چلا جانا بشرطیکہ قدرت ہو واجب ہے۔ البتہ جس کو سفر پر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو جہاں آزادی سے دین پر عمل کر سکے وہ شرعاً معذور ہے۔

(سورہ عنکبوت آیت ۵۶)معارف القرآن حصہ ششم ص ۱۱۷

جنگی قیدیوں کے احکام و مسائل

مسئلہ : جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنا لینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام امت کا اجماع ہے اور فدیہ لے کر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلافات ہیں مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

(معارف القرآن ص ۲۴ ج ۸)

مسئلہ : جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے۔ یعنی اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لیے ہے' جب تک اس کے خلاف دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم ان کے قیدیوں کو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہو گی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے جو اسلامی ممالک اس معاہدہ میں شریک ہیں ان کے لیے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔

(سورہ محمد آیت ۴)(معارف القرآن ص ۲۷ ج ۸)

کسی معیّن شخص پر لعنت کرنے کا حکم

مسئلہ : کسی معیّن شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقینی طور پر ثابت نہ ہو ہاں عام وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے لعنۃ اللہ علی المفسدین' لعنۃ اللہ علی قاطع الرحم وغیرہ۔ (سورہ محمد آیت ۲۹ تا ۳۱)

(معارف القرآن ص ۴۳ ج ۸)

مسلمان کا کفار کی قید میں آنا

مسئلہ : کوئی مسلمان کفار کی قید میں آجائے اور وہ ان کا کچھ مال لے کر واپس آیا جائے تو یہ مال بحکم مال غنیمت حلال ہے اور مال غنیمت کے عام قاعدہ کے مطابق اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دینا بھی اس کے ذمہ نہیں۔

حضرات فقہاءؒ نے فرمایا کہ کوئی مسلمان چھپ کر بغیر امان و اجازت لیے دار الحرب میں چلا جائے اور وہاں سے کفار کا کچھ مال چھین کر یا کسی طرح لے آئے اور دار الاسلام میں پہنچ جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

لیکن جو شخص کفار سے امان اور اجازت لے کر ان کے ملک میں جائے جیسا آج

کل ویزا لینے کا دستور ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ ان کا کوئی مال بغیر ان کی رضامندی کے لے آئے۔ اسی طرح جو شخص قید ہو کر ان کے ملک میں چلا جائے پھر کفار میں سے کوئی آدمی اس کے پاس کوئی امانت رکھ دے تو اس امانت کا لے آنا بھی حلال نہیں۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ امان لے کر جانے سے ایک معاہدہ ان کے درمیان ہو گیا۔ اب بغیر ان کی رضامندی کے ان کے جان و مال میں کوئی تصرف کرنا عہد شکنی میں داخل ہے۔ دوسری صورت میں بھی امانت رکھنے والے سے عملی معاہدہ ہوتا ہے۔ کہ جب وہ مانگے گا امانت اس کو دے دی جائے گی اب امانت واپس نہ کرنا بد عہدی اور عہد شکنی ہے۔ جو شرعاً حرام ہے (مظہری)

(سورہ صٰفّٰت آیت ۱۴)(معارف القرآن ج ۸ ص ۴۷۷)

مال غنیمت اور اموال وقف میں چوری کی سزا

مسئلہ : مال غنیمت میں چوری گناہ عظیم ہے اور اس کی سزا عام چوریوں سے زیادہ اشد یعنی غلول ہے جب میدان حشر میں ساری مخلوق جمع ہو گی۔ سب کے سامنے اس کو اس طرح رسوا کیا جائے گا کہ جو مال چوری کیا تھا وہ اس کی گردن پر لدا ہوا ہو گا۔

یہی حال مدارس' خانقاہوں اور اوقاف کے اموال کا ہے۔ جس میں ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا چندہ ہوتا ہے اگر معاف بھی کرائے تو کس کس سے کرائے اسی طرح حکومت کے سرکاری خزانہ (بیت المال) کا حکم ہے کیونکہ اس میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہے جو اس میں چوری کرے اس نے سب کو چوری کی مگر چونکہ یہی اموال عموماً ایسے ہوتے ہیں' جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا۔ نگرانی والے بے پروائی کرتے ہیں۔ چوری کے مواقع بکثرت ہوتے ہیں۔ اس لیے آج کل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت انہی اموال میں ہو رہی ہے اور لوگ اس کے انجام بد اور وبال عظیم سے غافل ہیں کہ اس جرم کی سزا علاوہ عذاب جہنم کے میدان حشر کی رسوائی بھی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محرومی بھی نعوذ باللہ۔

(سورہ آل عمران آیت ۱۶۱)(معارف القرآن ص ۲۳۳ ج ۲)

○☆○

مال غنیمت اور مال فئی کے مصارف

غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار سے جہاد و قتال کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آتا ہے۔

اور فئی وہ مال ہے جو بغیر جہاد و قتال کے ان سے حاصل ہو خواہ اس طرح کہ وہ اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گئے یا رضامندی سے بصورت جزیہ و خراج یا تجارتی ڈیوٹی وغیرہ کے ذریعہ ان سے حاصل ہوتا ہے۔

ان کے مصارف کے چھ نام ذکر کئے گئے ہیں اللہ، رسول، ذوی القربیٰ، یتیم، مسکین، مسافر، یہ ظاہر ہے کہ اللہ جل شانہٗ تو دنیا و آخرت اور تمام مخلوقات کا مالک حقیقی ہے۔ اس کا نام مبارک تو حصوں کے بیان میں محض تبرکاً اس فائدہ کے لیے ہے کہ اس سے مال کی شرافت و فضیلت اور حلال و طیب ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے۔ حسن بصری، قتادہ، عطاء، ابراہیم شعبی اور اور عام مفسرین (رحمہم اللہ) کا یہی قول ہے۔ (مظہری)

چنانچہ اب مستحقین اور مصارف کل پانچ رہ گئے۔ رسول، ذوی القربیٰ، یتیم، مسکین، مسافر یہی پانچ مصارف مال غنیمت کے خمس کے ہیں۔ جس کا بیان سورہ انفال میں آیا ہے اور یہی مصارف مال فئے کے ہیں۔

اور دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ سب اموال درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو ان سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لیے روک لیں اور بیت المال میں جمع کر دیں کسی کو کچھ نہ دیں اور چاہیں تقسیم کر دیں۔ البتہ تقسیم کئے جاویں تو ان پانچ اقسام میں دائر رہیں (قرطبی) (سورہ حشر آیت ۶) (معارف القرآن ص ۳۶۷ ج ۸)

قیدیوں سے فدیہ لینے کے احکام

مسئلہ : قیدیوں سے فدیہ لے کر آزاد کرنے یا مال غنیمت جمع کرنے پر جو عتاب نازل ہوا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا۔ مگر پھر معافی دے دی گئی اس سے یہ بات نہ کھلی کہ آئندہ کے لیے ان معاملات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اس لیے آگے مال غنیمت کا

مسئلہ تو صاف کر دیا گیا یعنی جو مال غنیمت تم کو ہاتھ آگیا ہے۔ وہ اب کھا سکتے ہو وہ آئندہ کے لیے تمہارے واسطے حلال کر دیا گیا۔ مگر اس میں یہ بھی ایک شبہ رہ جاتا ہے کہ مال غنیمت حلال کرنے کا حکم اب ملا ہے اس حکم سے پہلے جو غلطی سے جمع کر لیا گیا تھا شاید اس میں کسی قسم کی کراہت ہو اس لیے اس کے بعد حلالاً طیباً فرما کر یہ شبہ بھی دور کر دیا گیا۔ کہ اگرچہ نزول حکم سے پہلے جمع غنیمت کا اقدام درست نہ تھا۔ مگر اب جب کہ مال غنیمت حلال ہونے کا حکم آگیا تو پہلا جمع کیا ہوا بھی بغیر کسی کراہت کے حلال ہے۔

مسئلہ : یہاں اصول فقہ کا ایک مسئلہ قابل نظر اور قابل یادداشت ہے کہ جب کسی ناجائز اقدام کے بعد مستقل آیت کے ذریعہ اس مال کو حلال کرنے کا حکم نازل ہو جائے تو سابقہ اقدام کا اس میں کوئی اثر نہیں رہتا۔ یہ مال حلال طیب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہوا۔ لیکن اسی کی دوسری نظیر یہ ہے کہ کسی معاملہ میں حکم تو پہلے سے نازل شدہ تھا۔ مگر اس کا ظہور عمل کرنے والوں پر نہیں تھا۔ اس بناء پر اس کے خلاف ورزی کر گزرے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عمل قرآن و سنت کے فلاں حکم کے خلاف تھا تو اس صورت میں ظہور حکم کے بعد وہ مال حلال نہیں رہتا اگرچہ سابقہ غلطی کو معاف بھی کر دیا جائے۔ (نور الانوار ملا جیون) (سورہ انفال آیت ۶۸)

معارف القرآن حصہ چہارم ص ۲۸۵ تا ۲۸۶

امور دین میں کفار سے مشورہ

مسئلہ : امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں۔ دوسرے امور جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو۔ ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں واللہ علم

(سورہ احزاب آیت ۴) (معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۸۱)

کفار کے ساتھ صلح کرنے کے احکام

مسئلہ : صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ابتداء صلح کر لینا بھی جائز ہے جب کہ مصلحت مسلمانوں کی اس میں دیکھی جائے محض بزدلی، عیش کوشی اور سستی اس کا سبب

نہ ہو بلکہ خود مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو۔

(سورہ محمد آیت ۳۵)(ملخصاً معارف القرآن ص ۴۹ ج ۸

کفّار سے معاہدہ صلح کی بعض صورتیں

اس کا فیصلہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے جس میں کفار سے معاہدہ کو جائز قرار دینے کے ساتھ ایک استثناء کا ارشاد ہے وہ یہ ہے۔ الا صلحا احل حراما او حرم حلالا یعنی ہر صلح جائز ہے بجز اس صلح کے جس کی رو سے اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال یا حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا گیا ہو۔

اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک، صلح و سالمیت کا داعی نہیں مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے۔ خدا کے قانون اور اصول دین میں کسی مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں واللہ اعلم۔

(سورۃ الکٰفرون آیت ۸)(معارف القرآن ج ۸ ص ۸۳۴)

مسئلہ : کفار سے معاہدہ ختم ہو جائے تو اعلان عام اور سب کو ہوشیار اور خبردار کئے بغیر کوئی عمل درست نہیں۔(سورہ توبہ آیت ۴)(معارف القرآن ج ۴ ص ۳۱۱)

مداہنت فی الدین

مسئلہ : اس آیت (سورۃ القلم آیت ۱۰ تا ۱۴) سے معلوم ہوا کہ کفار و فجار کے ساتھ یہ سودا کر لینا کہ ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے، تم ہمیں کچھ نہ کہو، یہ مداہنت فی الدین اور حرام ہے (مظہری) یعنی بلا کسی اضطرار اور مجبوری کے ایسا معاہدہ جائز نہیں۔

(سورۃ القلم آیت ۱۰ تا ۱۳)(معارف القرآن ج ۸ ص ۵۳۳)

مسلمان کی دلی دوستی کسی کافر سے نہیں ہو سکتی

مسئلہ : بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فساق و فجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کا قرار دیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہو سکتی۔ کام کاج

کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدر ضرورت الگ چیز ہے دل میں دوستی کسی فاسق و فاجر کی اسی وقت ہو گی جب کہ فسق و فجور کے جراثیم خود اس کے اندر موجود ہوں گے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم..... اپنی دعاؤں میں فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ لَاتَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَیَّ یَدًا یعنی یا اللہ مجھ پر کسی فاجر آدمی کا احسان نہ آنے دے کیونکہ شریف النفس انسان اپنے محسن کی محبت پر طبعاً مجبور ہوتا ہے۔ اس لیے فساق و فجار کا احسان قبول کرنا جو ذریعہ ان کی محبت کا بنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی ہے۔(سورۂ مجادلہ آیت ۲۲)(معارف القرآن ص ۳۵۳ ج ۸)

مسلمانوں کے اموال پر کفار کے قبضہ کا حکم

امام اعظم ابو حنیفہؒ و امام مالکؒ نے فرمایا کہ اگر مسلمان کسی جگہ ہجرت کر کے چلے آئیں اور ان کے مال و جائیداد پر کفار قابض ہو جائیں یا خدانخواستہ کسی دارالاسلام پر وہ غالب آکر مسلمانوں کے اموال و جائیداد چھین لیں تو یہ اموال و جائیداد کفار کے مکمل قبضہ مالکانہ کے بعد انہی کی ملک ہو جاتے ہیں۔ ان کے تصرفات بیع و شراء ان اموال مسلمین میں نافذ ہوتے ہیں روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے تفسیر مظہری میں اس جگہ وہ سب روایات نقل کی ہیں۔(سورہ حشر آیت ۸)

معارف القرآن ص ۳۷۲ ج ۸)

جنگ کے وقت درختوں وغیرہ کو آگ لگانے کا حکم

مسئلہ : بحالت جنگ کفار کے گھروں کو منہدم کرنا یا جلانا اسی طرح درختوں کھیتوں کو برباد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس میں ائمہ فقہاء کے مختلف اقوال ہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بحالت جنگ ان سب کاموں کا جائز ہونا منقول ہے مگر شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت میں ہے۔ جب کہ اس کے بغیر کفار پر غلبہ پانا مشکل ہو یا اس صورت میں جب کہ مسلمانوں کی فتح کا گمان غالب نہ ہو تو یہ سب کام اس لیے جائز ہیں کہ ان سے کفار کی طاقت و شوکت کو توڑنا مقصود ہے یہ عدم فتح کی صورت میں ان کے مال کو ضائع کرنا بھی ان کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے اس میں داخل ہے۔

(سورۂ حشر آیت ۵)(معارف القرآن ج ۸ ص ۳۶۲)

باب

الشهادة

گواہی کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا ضروری ہیں

مسئلہ : گواہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہونا ضروری ہیں۔ ایک اکیلا مرد یا صرف دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کے لیے کافی نہیں۔

گواہوں کی شرائط

مسئلہ : دوسرے یہ کہ گواہ مسلمان ہوں اور تیسرے یہ کہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں' جن کے قول پر اعتماد کیا جاسکے۔ فاسق و فاجر نہ ہوں۔

گواہی دینے سے بلاعذر شرعی انکار کرنا گناہ ہے

مسئلہ : جب ان کو کسی معاملہ میں گواہ بنانے کے لیے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں۔ کیونکہ شہادت ہی احیائے حق کا ذریعہ اور جھگڑے چکانے کا طریقہ ہے۔ اس لیے اس کو اہم قومی خدمت سمجھ کر تکلیف برداشت کریں۔ اس کے بعد پھر معاملات کی دستاویز لکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہئے' اس میں اکتائیں نہیں کیونکہ معاملات کا قلمبند کرلینا انصاف کو قائم رکھنے اور صحیح شہادت

دینے اور شک و شبہ سے بچنے کے لیے بہترین ذریعہ ہے۔ ہاں اگر کوئی معاملہ دست بدست ہو ادھار نہ ہو اس کو اگر نہ لکھیں تب بھی کچھ حرج نہیں مگر اتنا اس میں بھی کیا جائے کہ معاملہ پر گواہ بنالیں کہ شاید کسی وقت فریقین میں کوئی نزاع و اختلاف پیش آجائے' مثلاً بائع کہے کہ قیمت وصول نہیں ہوئی' یا مشتری کہے کہ مجھے مبیع پوری وصول نہیں ہوئی تو اس جھگڑے کے فیصلہ میں شہادت کام آئے گی۔

(البقرہ آیت ۲۸۲) معارف القرآن حصہ اول ص ۶۸۱ تا ۶۸۷

فاسق انسان کی خبر یا شہادت مقبول نہیں

مسئلہ : کوئی شریر یا فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے۔ ان پر کوئی الزام لگائے تو اس کی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ : جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو قبول بھی کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الحکام وغیرہ میں ہے۔

(سورۃ الحجرات آیت ۶) (تفسیر معارف القرآن ج ۸ ص ۱۰۵)

افواہیں پھیلانا حرام ہے

مسئلہ : مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جس سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو اور نقصان پہنچے۔ (سورۂ احزاب آیت ۵۹) (معارف القرآن ج ۷ ص ۲۳۵)

تہمت کے وقت اپنی صفائی پیش کرنا سنت انبیاء ہے

مسئلہ : کسی شخص پر کوئی غلط تہمت باندھے تو اپنی صفائی پیش کرنا سنت انبیاء ہے۔ یہ کوئی توکل یا بزرگی نہیں کہ اس وقت خاموش رہ کر اپنے آپ کو مجرم قرار دیدے۔

مسئلہ : اس میں لفظ شاہد ہے یہ لفظ جب عام فقہی معاملات اور مقدمات میں بولا

جاتا ہے۔ تو اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے۔ جو زیر نزاع معاملہ کے متعلق اپنا چشم دید کوئی واقعہ بیان کرے۔ اس آیت میں جس کو شاہد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس نے کوئی واقعہ یا اس کے متعلق اپنا کوئی مشاہدہ بیان نہیں کیا۔ بلکہ فیصلہ کرنے کی ایک صورت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کو اصطلاحی طور پر شاہد نہیں کہا جا سکتا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ اصطلاحات سب بعد کے علماء و فقہاء نے افہام و تفہیم کے لیے اختیار کرلی ہیں۔ قرآن حکیم کی نہ یہ اصطلاحیں ہیں نہ وہ ان کا پابند ہے۔ قرآن کریم نے یہاں اس شخص کو شاہد اس معنی کے اعتبار سے فرمایا ہے کہ جس طرح شاہد کے بیان سے معاملہ کا تصفیہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور کسی ایک فریق کا حق پر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اس بچہ کے بیان سے بھی یہی فائدہ حاصل ہو گیا کہ اصل تو اس کا معجزانہ گویائی ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی برات کے لیے کے لیے شاہد تھی اور پھر اس نے جو علامات بتلائیں ان کا حاصل بھی انجام کار یوسف علیہ السلام ہی کی برات کا ثبوت ہے۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اس نے یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی' حالانکہ اس نے یوسف علیہ السلام کو سچا نہیں کہا' بلکہ دونوں احتمالوں کا ذکر کر دیا تھا۔ اور زلیخا کے سچے ہونے کو ایک ایسی صورت میں بھی فرضی طور پر تسلیم کر لیا تھا' جس میں ان کا سچا ہونا یقینی نہ تھا' بلکہ دوسرا بھی احتمال موجود تھا' کیونکہ کرتے کا سامنے سے پھٹنا دونوں صورتوں میں ممکن ہے' اور یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے کو صرف اسی صورت میں تسلیم کیا تھا۔ جس میں اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں ہو سکتا' لیکن انجام کار نتیجہ اس حکمت عملی کا یہی تھا کہ یوسف علیہ السلام کا بری ہونا ثابت ہو۔

مسئلہ : اس میں یہ ہے کہ مقدمات اور خصومات کے فیصلوں میں قرائن اور علامات سے کام لیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس شاہد نے کرتے کے پیچھے سے پھٹنے کو اس کی علامت قرار دیا کہ یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے زلیخا پکڑ رہی تھی اس معاملہ میں اتنی بات پر تو سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ معاملات کی حقیقت پہچاننے میں علامات اور قرائن سے ضرور کام لیا جائے جیسا کہ یہاں کیا گیا۔ لیکن محض علامات و قرائن کو کافی ثبوت تو اس بچہ کی معجزانہ انداز سے گویائی ہے۔ علامات و قرائن جن کا ذکر کیا گیا ہے ان سے اس معاملہ کی تائید ہو گئی۔ (سورۂ یوسف آیت ۲۵ تا ۲۹)(معارف القرآن حصہ پنجم ص ۴۴ تا ۴۵)

باب

الحدود والقصاص

جرم و سزا کے قوانین میں اسلامی قانون کا حکیمانہ اصول

دنیا کی حکومتوں میں قواعد و قوانین کی تدوین اور جرائم کی سزا و تعزیر کا پرانا دستور ہے ہر قوم و ملک میں قوانین اور تعزیرات کی کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن کریم بھی اللہ کے قانون کی کتاب ہے مگر اسکا طرز تمام دنیا کی کتب قوانین سے نرالا اور عجیب ہے کہ ہر قانون کے آگے پیچھے خوف خدا اور فکر آخرت کو سامنے کر دیا جاتا ہے تاکہ ہر انسان قانون کی پابندی کسی پولیس اور نگراں کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے کرے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے خلوت ہو یا جلوت ہر صورت میں پابندی قانون کو ضروری سمجھے۔ صرف یہی سبب ہے کہ قرآن پر صحیح ایمان رکھنے والوں میں کسی سخت سے سخت قانون کی تنفیذ بھی زیادہ دشوار نہیں ہوتی اس کے لیے اسلامی حکومت کو پولیس اور اس پر اسپیشل پولیس اور اس پر خفیہ پولیس کا جال پھیلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

(سورۃ الطلاق آیت ۲)(معارف القرآن ج ۸ ص ۴۸۵)

قتل کے متعلق بعض احکام

مسئلہ : قتل عمد وہ ہے کہ ارادہ کر کے کسی کو آہنی ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جس سے

گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے قتل کیا جاوے قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا۔ ایسے ہی قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسئلہ : ایسے قتل میں جیسے آزاد آدمی آزاد کے عوض میں قتل کیا جاتا ہے ایسے ہی غلام کے عوض میں بھی۔ اور جس طرح عورت کے عوض میں عورت ماری جاتی ہے۔ اسی طرح مرد بھی عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جاتا ہے۔

مسئلہ : اگر قتل عمد میں قاتل کو پوری معافی دیدی جاوے۔ مثلاً مقتول کے وارث صرف اس کے دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا۔ تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا۔ اور اگر پوری معافی نہ ہو۔ مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کیا۔ دوسرے نے معاف نہیں کیا' تو سزائے قصاص سے تو قاتل بری ہو گیا۔ لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت (خون بہا) دلایا جاوے گا اور دیت یعنی خوں بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں۔ اور درہم آج کل کے مروجہ وزن کے اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔ تو پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تولے ۸ ماشے چاندی ہو گی۔ یعنی ۳۶ سیر ۳۶ تولے ۸ ماشے۔

مسئلہ : جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر باہم کسی قدر مال پر مصالحت ہو جاوے تب بھی قصاص ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

مسئلہ : مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص اور دیت کے مالک بقدر اپنے حصہ میراث کے ہوں گے۔ اگر دیت یعنی خون بہا لیا گیا تو مال ان وارثوں میں بحساب وراثت تقسیم ہو گا۔ اور قصاص کا حق بھی سب میں مشترک ہو گا۔ مگر چونکہ قصاص ناقابل تقسیم ہے۔ اس لیے کوئی ادنیٰ درجہ کا حق رکھنے والا بھی اپنا حق قصاص معاف کر دے گا۔ تو دوسرے وارثوں کا حق قصاص بھی معاف ہو جائے گا۔ ہاں ان کو دیت (خون بہا) کی رقم حسب حصہ ملے گی۔

مسئلہ : قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے۔ مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کے حاصل

کرنے کے لیے حکم سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے۔ کس میں نہیں۔ اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں۔ اس لیے باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (قرطبی) (البقرہ آیت ۱۷۹)

معارف القرآن حصہ اول ص ۴۳۵ تا ۴۳۷

حرم میں قصاص کا جواز خاص صورت میں

مسئلہ : کوئی شخص حرم کے اندر ہی کوئی ایسا جرم کرے جس پر حد یا قصاص شرعاً عائد ہوتا ہے تو حرم اس کو امن نہیں دے گا بلکہ باجماع امت اس پر حدود و قصاص جاری کیے جائیں گے (سورۃ البقرہ آیت ۱۹۵) معارف القرآن ص ۳۲۱ ج ۱

قتل کے متعلق مزید احکام

مسئلہ : دیت دوسری قسم کی سو اونٹ ہیں' چار قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے پچیس پچیس' اور دیت تیسری قسم کی سو اونٹ ہیں۔ پانچ قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے بیس بیس' البتہ اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں۔ اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے۔ بوجہ قصد کے اور تیسری قسم میں کم صرف بے احتیاطی کا (کذا فی الہدایہ)

چنانچہ تحریر رَقَبَہ کا وجوب و نیز لفظ توبہ اس پر دال ہے۔ اور یہ حقیقت ان تینوں کی دنیا میں جاری ہونے والے احکام شرعیہ کے اعتبار سے ہے اور گناہ کے اعتبار سے عمد و غیر عمد ہونا۔ اس کا مدار قلبی قصد و ارادہ پر ہے جس پر وعید آئندہ کا مدار ہے۔ وہ خدا کو معلوم ہے ممکن ہے کہ اس اعتبار سے قسم اول غیر عمد ہو جائے اور قسم ثانی عمد ہو جائے۔

یہ مقدار مذکور دیت کی جب ہے کہ مقتول مرد ہو اور اگر عورت ہو تو اس کی نصف ہے۔ (کذا فی الہدایہ)

مسئلہ : دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے قول رسول علیہ السلام ہے۔دیۃ کل ذی عہدفی عہدہ الف دینار۔

(کذافی الھدایۃ اخرجہ ابو داؤدفی مراسیلہ)

مسئلہ : کفارہ یعنی تحریر رَقَبَہ یا روزے رکھنا خود قاتل کو ادا کرنا پڑتا ہے اور دیت قاتل کے اہل نصرت پر ہے۔جن کو شرع کی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔(بیان القرآن)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قاتل کے جرم کا بوجھ اس کے اولیاء اور انصار پر کیوں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں؟ وجہ دراصل یہ ہے کہ اس میں قاتل کے اولیاء بھی قصوروار ہوتے ہیں کہ انہوں نے اس کو اس قسم کی بے احتیاطی کرنے سے روکا نہیں اور دیت کے خوف سے آئندہ وہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

مسئلہ : کفارہ میں لونڈی غلام برابر ہیں۔لفظ رقبہ عام ہے البتہ ان کے اعضاء سالم ہونے چاہئیں۔

مسئلہ : دیت مقتول کی شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی اور جو اپنا حصہ معاف کردے گا۔ اس قدر معاف ہو جائے گی۔اور اگر سب نے معاف کردیا تو سب معاف ہو جائے گی۔

مسئلہ : جس مقتول کا کوئی وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں داخل ہو گی۔کیونکہ دیت ترکہ ہے اور ترکہ کا یہی حکم ہے۔(بیان القرآن)

مسئلہ : اہل میثاق (ذمی یا مستأمن) کے باب میں جو دیت واجب ہے ظاہر یہ ہے کہ اس وقت ہے جب اس ذمی یا مستأمن کے اہل موجود ہوں۔اور اگر اس کے اہل نہ ہوں۔یا وہ اہل مسلمان ہوں اور مسلمان کافر کا وارث ہو نہیں ہو سکتا اس لیے وہ بجائے نہ ہونے کے ہو۔تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کی دیت بیت المال میں داخل کی جائے گی۔ کیونکہ ذمی لاوارث کا ترکہ جس میں دیت داخل ہے۔بیت المال میں آتا ہے۔(کمافی درالمختار) ورنہ واجب ہوگی۔(بیان القرآن)

مسئلہ : روزے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا ہو تو از سر نو رکھنے

پڑیں گے۔البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

مسئلہ : اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت تک توبہ کیا کرے۔

مسئلہ : قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں 'توبہ کرنا چاہئے (بیان القرآن)

(سورہ نساء آیت ۹۳) معارف القرآن حصہ دوم ص ۵۱۵ تا ۵۱۶

شرعی سزاؤں کی تین قسمیں

حدود' قصاص 'تعزیرات' ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے' اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے' اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں۔اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

(سورہ مائدہ آیت ۳۳) معارف القرآن حصہ سوئم ص ۱۶

زنا کے متعلق حکم

مسئلہ : شریعت نے زنا کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسباب قریبہ اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کردیا۔کسی اجنبی عورت یا مرد پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا۔اس کا کلام سننے کو کانوں کا اس کے چھونے کو ہاتھوں کا۔اس کے لیے جدوجہد میں چلنے کو پاؤں کا زنا فرمایا۔جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہیں۔انہی جرائم کے بچانے کے لیے عورتوں کے واسطے پردہ کے احکام نازل ہوئے۔

(سورہ احزاب آیت ۵۴'۵۵) معارف القرآن حصہ ہفتم ص ۲۰۶

اجراء حدود کے بعض احکام

مسئلہ : کوڑوں یا دروں کی ضرب اس حد تک رہنی چاہئے کہ اس کا اثر انسان کی کھال تک رہے۔گوشت تک نہ پہنچے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے

لگانے کی سزا میں اسی توسط و اعتدال کی تلقین عملاً فرمائی ہے کہ کوڑا نہ بہت سخت ہو جس سے گوشت تک ادھڑ جائے اور نہ بہت نرم ہو کہ اس سے کوئی خاص تکلیف ہی نہ پہنچے۔

(سورۃ النور آیت ۴) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۴۳

مسئلہ : غیر شادی شدہ مرد عورت کی سزا سو کوڑے جو آیت نور میں مذکور ہے۔ اس حدیث میں اس کے ساتھ ایک مزید سزا کا ذکر ہے کہ مرد کو سال بھر کے لیے جلاوطن بھی کر دیا جائے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ کہ یہ سال بھر کی جلاوطنی کی سزا مرد زانی کو سو کوڑوں کی طرح لازمی ہے۔ یا قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ ضرورت سمجھے تو سال بھر کے لیے جلاوطن بھی کر دے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی آخری صورت صحیح ہے۔ یعنی حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔

(سورۃ النور آیت ۴) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۴۵

مسئلہ : تہمت لگانے والے مرد ہوں اور جس پر تہمت لگائی گئی وہ پاک دامن عورت ہو مگر حکم شرعی اشتراک علت کے سبب سے عام ہے۔ کوئی عورت دوسری عورت پر یا کسی مرد پر یا مرد کسی دوسرے مرد پر تہمت زنا لگائے اور ثبوت شرعی موجود نہ ہو تو یہ بھی سب اسی سزائے شرعی کے مستحق ہوں گے۔

مسئلہ : یہ حد شرعی جو تہمت زنا پر ذکر کی گئی ہے۔ صرف اسی تہمت کے ساتھ مخصوص ہے۔ کسی دوسرے جرم کی تہمت کسی شخص پر لگائی جائے تو یہ حد شرعی اس پر جاری نہیں ہوگی۔ ہاں تعزیری سزا حاکم کی صوابدید کے مطابق ہر جرم کی تہمت پر دی جا سکتی ہے۔ الفاظ قرآن میں اگرچہ صراحۃً اس حد کا تہمت زنا کے ساتھ مخصوص ہونا ذکر نہیں مگر چار گواہوں کی شہادت کا ذکر اس خصوصیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ چار گواہ کی شرط صرف ثبوت زنا ہی کے لیے مخصوص ہے۔

مسئلہ : حد قذف میں چونکہ حق العبد یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کا حق بھی شامل ہے اس لیے یہ حد جب ہی جاری کی جائے گی۔ جب کہ مقذوف یعنی جس پر تہمت لگائی گئی وہ حد جاری کرنے کا مطالبہ بھی کرے۔ ورنہ حد ساقط ہو جائے گی۔ (ہدایہ)

بخلاف حد زنا کے کہ وہ خالص حق اللہ ہے۔ اس لیے کوئی مطالبہ کرے یا نہ کرے حد زنا جرم ثابت ہونے پر جاری کی جائے گی۔ جس شخص پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو جائے اور مقذوف کے مطالبہ سے اس پر مقذوف جاری ہو جائے تو اس کی ایک سزا تو فوری ہو گئی کہ اسّی کوڑے لگائے گئے دوسری سزا ہمیشہ کے لیے جاری رہے گی۔ وہ یہ ہے کہ اس کی شہادت کسی معاملے میں قبول نہ کی جائے گی جب تک یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت کے ساتھ توبہ نہ کرے۔ اور مقذوف شخص سے معافی حاصل کر کے توبہ کی تکمیل نہ کرے۔ اس وقت تک تو باجماع امت اس کی شہادت کسی معاملہ میں مقبول نہ ہوگی۔ اور اگر توبہ کرے تب بھی حنفیہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ ہاں گناہ معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں گذرا۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی وہ لوگ جن پر تہمت زنا کی حد شرعی جاری کی گئی ہے اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی حالت درست کر لیں کہ آئندہ اس طرح کے اقدام کا اس سے خطرہ نہ رہے اور جس پر تہمت لگائی تھی۔ اس سے بھی معاف کرا لیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

(سورۃ النور آیت ۴، ۵) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۵۴ تا ۳۵۵

لعان کے احکام

لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ نطفہ میرا نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام ہے اس کو جھوٹا بتلا دے اور اس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس لیے شوہر پر اسی کوڑے تہمت زنا کی سزا جاری کی جائے۔ تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جائے گا۔ کہ الزام زنا پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے چار گواہ پیش کر دیئے۔ تو عورت پر حد زنا لگائی جائے گی۔ اور اگر وہ چار گواہ نہ لا سکا تو ان دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔ یعنی اول مرد سے کہا جائے گا کہ چار مرتبہ ان الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں اس

الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رکے تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔ کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرو۔ یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ یہ قسمیں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اس کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد قذف یعنی تہمت زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی۔ اور اگر الفاظ مذکور کے ساتھ پانچ مرتبہ قسمیں کھالیں۔ تو پھر اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی۔ جو قرآن میں عورت کے لیے مذکورہ ہیں۔ اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اس کو اس وقت تک قید رکھا جائے گا۔ جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جرم زنا کا اقرار کرے۔ تو اس پر حد زنا جاری کر دی جائے اور یا پھر الفاظ مذکورہ کے ساتھ پانچ قسمیں کھائے۔ اگر وہ الفاظ مذکورہ سے قسمیں کھانے پر راضی ہو جائے اور قسمیں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کی سزا سے دونوں بچ گئے۔ آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ ان میں سے کون جھوٹا ہے۔ جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی۔ لیکن دنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا۔ تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتے ہیں۔ شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے۔ جو بحکم طلاق ہو گی۔ بہر حال اب ان دونوں کو آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا۔ معاملہ لعان کی یہ تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات و نفسیات کی رعایت کی بناء پر نافذ ہوا ہے۔ کیونکہ کسی شخص پر الزام زنا لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گذر چکا ہے۔ اس رو سے یہ ضروری ہے کہ الزام زنا لگانے والا چار گواہ عینی پیش کرے اور جو یہ نہ کر سکے تو الٹی اسی پر تہمت زنا کی حد جاری کی جائے گی۔ عام آدمی کے لیے تو یہ ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تاکہ تہمت زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن شوہر کے لیے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اس نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمت زنا کی سزا پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال ہو جائے اس لیے شوہر کے

معاملہ کو عام قانون سے الگ کر کے اس کا مستقل قانون بنا دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہو سکتا ہے۔

(سورۃ النور آیت ۶ تا ۱۰) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۵۷ تا ۳۵۸)

مسئلہ : جب دو میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لعان ہو جائے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ جیسے حرمت رضاعت ابدی ہوتی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المتلاعنان لا یجتمعان ابدًا" حرمت تو لعان ہونے ہی سے ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن عورت کو دوسرے شخص سے بعد عدت نکاح کرنا امام اعظمؒ کے نزدیک جب جائز ہو گا جبکہ مرد طلاق دیدے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کر دے گا۔ وہ بھی بحکم طلاق ہو جائے گا۔ پھر عدت طلاق تین حیض پورے ہونے کے بعد عورت آزاد ہو گی۔ اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کر سکے گی۔ (مظہری وغیرہ)

مسئلہ : جب لعان ہو چکا اس کے بعد اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس کے شوہر کی طرف سے منسوب نہیں ہو گا بلکہ اس کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جاوے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور عویمر عجلانی دونوں کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ : لعان کے بعد اگرچہ ان میں جو جھوٹا ہے۔ اس کا عذاب آخرت پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہو گئی۔ اسی طرح دنیا میں اس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہنا بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہو گا۔ ہلال بن امیہ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ میں یہ حکم فرمایا۔ وقضی بان لا ترمی ولا ولدھا۔

(سورۃ النور آیت ۶ تا ۱۰) معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۶۱ تا ۳۶۲

مسئلہ : وَقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیل شرعی سے نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب و گناہ کی بات اس

کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔

مسئلہ : ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ نیک گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اس پر الزام لگاتا ہے اس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلاوجہ رسوا کرنا ہے۔ (مظہری) (سورۃ النور آیت ۱۲)

(معارف القرآن حصہ ششم ص ۳۷۷)

ضمانت کے احکام

مسئلہ : کفالتہ بالنفس جائز ہے یعنی کسی مقدمہ میں ماخوذ انسان کو مقدمہ کی تاریخ پر حاضر کرنے کی ضمانت لینا درست ہے۔ اس مسئلہ میں امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا اختلاف ہے وہ صرف مالی ضمانت کو جائز رکھتے ہیں نفس انسانی کی ضمانت کو جائز نہیں رکھتے۔

(سورہ یوسف آیت ۶۶) (معارف القرآن ص ۹۳ ج ۵)

باب

القضاء

جانور دوسرے آدمی کی جان یا مال کو نقصان پہنچادیں تو فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟

حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جانور کے مالک پر ضمان آئے گا۔ اگر یہ واقعہ رات میں ہوا ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ داؤد علیہ السلام کی شریعت کا جو فیصلہ ہو وہی شریعت محمدیہ میں رہے اس لیے اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر رات کے وقت کسی کے جانور کسی دوسرے کے کھیت میں داخل ہو کر نقصان پہنچادیں۔ تو جانور کے مالک پر ضمان آئے گا اور اگر دن میں ایسا ہو تو ضمان نہیں آئے گا۔ ان کا استدلال حضرت داؤد کے فیصلہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر شریعت محمدیہ کے اصول کے تحت انہوں نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا ہے۔ جو مؤطا امام ملک میں مرسلاً منقول ہے کہ حضرت براء بن عازب کی ناقہ ایک شخص کے باغ میں داخل ہو گئی اور اس کو نقصان پہنچادیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغوں اور کھیتوں کی حفاظت رات میں ان کے مالکوں کے ذمہ ہے۔ اور ان کی حفاظت کے باوجود اگر رات کو کسی کے جانور نقصان پہنچادیں تو جانور کے مالک پر ضمان ہے۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ اور فقہاء کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت جانوروں کے ساتھ ان کا چرانے والا یا حفاظت کرنے والا کوئی آدمی موجود ہو۔ اس نے

غفلت کی اور جانوروں نے کسی کے باغ یا کھیت کو نقصان پہنچادیا اس صورت میں تو جانور کے مال پر ضمان آتا ہے۔ خواہ یہ معاملہ رات میں ہو یا دن میں ہو اور اگر مالک یا محافظ جانوروں کے ساتھ نہ ہوں جانور خود ہی نکل گئے اور کسی کے کھیت کو نقصان پہنچادیا تو جانور کے مالک پر ضمان نہیں۔ معاملہ دن اور رات کا اس میں بھی برابر ہے۔ امام اعظم کی دلیل وہ حدیث ہے۔ جو بخاری و مسلم اور تمام محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جرح العجماء جبار یعنی جانور جو کسی کو نقصان پہنچادے وہ قابل مواخذہ نہیں۔ یعنی جانور کے مالک پر اس کا ضمان نہیں ہے۔ بشرطیکہ جانور کا مالک یا محافظ اس کے ساتھ نہ ہو جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ اس حدیث میں دن رات کی تفریق کے بغیر عام قانون شرعی یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر جانور کے مالک نے خود اپنے قصد و ارادے سے کسی کے کھیت میں نہیں چھوڑا جانور بھاگ کر چلا گیا۔ تو اس کے نقصان کا ضمان جانور کے مالک پر نہیں ہو گا۔ اور حضرت براء بن عازب کے واقعہ کی روایت کی سند میں فقہاء حنفیہ نے کلام کیا ہے۔ اور فرمایا کہ اس کو صحیحین کی حدیث مذکور کے مقابلے میں حجت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

(سورۃ الانبیاء آیت ۷۸ تا ۸۲) معارف القرآن حصہ ششم ص ۲۱۰ تا ۲۱۱

کیا کسی قاضی کا فیصلہ توڑا یا بدلا جا سکتا ہے؟

اگر کسی قاضی نے نصوص شرعیہ اور جمہور امت کے خلاف کوئی غلط فیصلہ محض اٹکل سے دیدیا ہے تو وہ فیصلہ باتفاق امت مردود و باطل ہے دوسرے قاضی کو اس کے خلاف فیصلہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب اور اس قاضی کا معزول کرنا واجب ہے لیکن اگر ایک قاضی کا فیصلہ شرعی اجتہاد پر مبنی اور اصول اجتہاد کے ماتحت تھا تو کسی دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کا توڑنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کیا جائے گا تو فساد عظیم ہو گا اور اسلامی قانون ایک کھیل بن جائے اور روز حلال و حرام بدلا کریں گے۔ البتہ اگر خود اسی فیصلہ دینے والے قاضی کو بعد اس کے کہ اصول اجتہاد کے تحت وہ ایک فیصلہ نافذ کر چکا ہے اب از روئے اجتہاد یہ نظر آئے کہ پہلے فیصلہ اور پہلے اجتہاد میں غلطی ہو گئی ہے تو اس کا بدلنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۷۸) (معارف القرآن ج ۶ ص ۲۰۸)

باب

الصّید

شکار حلال ہونے کے چار شرائط

اول:۔ یہ کہ کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے۔ خود اس کو نہ کھانے لگے۔ اور باز کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہو گا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا۔ اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں۔ مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بلانے پر واپس نہ آئے وہ شکار تمہارا نہیں اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے:۔ کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کر لیں۔

تیسری شرط یہ ہے:۔ کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمہارے پاس

لے آئیں۔

چوتھی شرط یہ ہے:۔ کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمہارے لیے حلال نہ ہو گا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کردے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ : یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں۔ اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کر لیا گیا ہے تو وہ بغیر باقاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہو گا۔ مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

(سورۃ المائدہ آیت ۴) معارف القرآن حصہ سوم ص ۴۰ تا ۴۱

شکار سے متعلّق مسائل

مسئلہ : صید جو کہ حرم اور احرام میں حرام ہے عام ہے خواہ ماکول یعنی جانور ہو یا غیر ماکول (یعنی حرام) (الاطلاق الایۃ)

مسئلہ : صید یعنی شکار 'ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں۔ عادۃً انسانوں کے پاس نہ رہتے ہوں' پس جو خلقاً اہلی ہوں جیسے بھیڑ' بکری' گائے' اونٹ' ان کا ذبح کرنا اور کھانا درست ہے۔

مسئلہ : البتہ جو دلیل سے مستثنیٰ ہو گئے ہیں۔ ان کو پکڑنا' قتل کرنا حرام ہے جیسے دریائی جانور کا شکار لقولہ تعالیٰ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ اور بعضے خشکی کے جانور جیسے کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کاٹنے والا کتا اسی طرح جو درندہ خود حملہ کرے اس کا قتل بھی جائز ہے' حدیث میں ان کا استثناء مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ الصید میں الف لام عہد کا ہے۔

مسئلہ : جو حلال شکار غیر احرام اور غیر حرم میں کیا جائے اس کا کھانا محرم کو جائز ہے جب یہ اس کے قتل وغیرہ میں معین یا مشیر یا بتلانے والا نہ ہو' حدیث میں ایسا ہی ارشاد ہے۔

مسئلہ : شکار حرم کو جس طرح قصداً قتل کرنے پر جزا واجب ہے اسی طرح خطاء و نسیان میں بھی واجب ہے۔ (اخرجہ الروح)

مسئلہ : جیسا پہلی بار میں جزا واجب ہے۔ اسی طرح دوسری تیسری بار قتل کرنے میں بھی واجب ہے۔

مسئلہ : حاصل جزاء کا یہ ہے کہ جس زمان اور جس مکان میں یہ جانور قتل ہوا ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ دو عادل شخص سے اور جائز یہ بھی ہے کہ ایک ہی عادل شخص سے اس جانور کی قیمت تخمینہ کرائے پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ مقتول جانور اگر غیر ماکول ہے تب تو یہ قیمت ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہو گی اور اگر وہ جانور ماکول تھا تو جس قدر تخمینہ ہو گا۔ وہ سب واجب ہو گا۔ اور دونوں حال میں آگے اس کو تین صورتوں میں اختیار ہے خواہ تو اس قیمت کا کوئی جانور حسب شرائط قربانی کے خرید لے۔ اور حدود حرم کے اندر ذبح کر کے فقراء کو بانٹ دے۔ اور یا اس قیمت کے برابر غلہ حسب شرائط صدقہ فطر کے فی مسکین نصف صاع فقراء کو دیدے اور یا بحساب فی مسکین نصف صاع جتنے مساکین کو وہ غلہ پہنچ سکتا ہو اتنے شمار سے روزے رکھ لے اور تقسیم غلہ اور روزوں میں حرم کی قید نہیں۔ اور اگر قیمت نصف صاع سے بھی کم واجب ہوئی ہے تو اختیار ہے۔ خواہ ایک مسکین کو دیدے یا کہ روزہ رکھ لے اسی طرح اگر فی مسکین نصف صاع دے کر نصف صاع سے کم بچ گیا۔ تو بھی یہی اختیار ہے کہ خواہ وہ بقیہ ایک مسکین کو دیدے یا ایک روزہ رکھ لے۔ نصف صاع کا وزن ہمارے وزن کے اعتبار سے پونے دو سیر ہوتا ہے۔

مسئلہ : تخمینہ مذکور میں جتنے مساکین کا حصہ قرار پاوے اگر ان کو دو وقت کھانا شکم سیر کر کے کھلاوے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ : اگر اس قیمت کے برابر ذبح کے لیے جانور تجویز کیا۔ مگر کچھ قیمت بچ گئی تو

اس بقیہ میں اختیار ہے۔ خواہ دوسرا جانور خریدے یا اس کا غلہ دیدے۔ یا غلہ کے حساب سے روزے رکھ لے۔ جس طرح قتل میں جزاء واجب ہے۔ اسی طرح ایسے جانور کو زخمی کرنے میں بھی تخمینہ کرایا جائے گا کہ اس سے جانور کی کس قدر قیمت کم ہو گئی اس مقدار قیمت میں پھر وہی تین مذکورہ صورتیں جائز ہونگی۔

مسئلہ : محرم کو جس جانور کا شکار کرنا حرام ہے۔ اس کا ذبح کرنا بھی حرام ہے۔ اگر اس کو ذبح کرے گا۔ تو اس کا حکم مردار کا سا ہو گا۔

(وفی لا تقتلوا اشارۃ الی ان ذبحہ کالقتل)

مسئلہ : اگر جانور کے قتل ہونے کی جگہ جنگل ہے تو جو آبادی اس سے قریب ہو وہاں کے اعتبار سے تخمینہ کیا جائے گا۔

مسئلہ : اشارہ و دلالت و اعانت شکار میں مثل شکار کرنے کے حرام ہے۔

(سورۃ المائدۃ آیت ۹۵، ۹۶) معارف القرآن حصہ سوم ص ۲۳۴ تا ۲۳۵

باب

الحظر والاباحة

سیاستہً اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنے کا حکم

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رعب پڑے اور رعایا اطاعت خداوندی اور اطاعت سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جب کہ وہ سیاستہً اور اظہار نعمت کی غرض سے ہو تکبّر و تعلی کے لئے نہ ہو۔ (سورۃ النمل آیت ۱۶) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۵۴)

جو جانور کام میں سستی کرے اس کو معتدل سزا دینا جائز ہے

مسئلہ : حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزائیں دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام امتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں

ممنوع ہے۔(قرطبی)(سورۃ النمل آیت ۳۱) (معارف القرآن حصہ ششم ص ۵۷۱)

قمری حساب کو باقی رکھنا واجب ہے

اس لئے کہ احکام اسلامیہ میں قمری سن اور مہینہ اور تاریخوں کا اعتبار کیا گیا ہے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عدّت وغیرہ اسلامی فرائض و احکام میں قمری حساب ہی رکھا گیا ہے فقہاء نے قمری حساب کو باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

اس کے معنی یہ نہیں کہ شمسی حساب رکھنا ناجائز ہے بلکہ اپنے کاروبار تجارت میں شمسی استعمال کر سکتا ہے۔(ملخصاً سورہ یونس آیت ۵) (معارف القرآن ج ۴ ص ۵۰۷)

بلا ضرورت عمارت بنانا مذموم ہے

بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً برا ہے۔

(سورۃ الشعراء آیت ۱۲۸) (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۳۷)

مفید پیشوں کو گناہ کے استعمال میں لانا ناجائز ہے

عمدہ پیشے خدا تعالیٰ کے انعامات ہیں اور ان سے نفع اٹھانا جائز ہے لیکن اگر ان سے کوئی گناہ یا حرام فعل یا بلا ضرورت ان میں انہماک لازم آتا ہو تو پھر وہ پیشہ اختیار کرنا ناجائز ہے(سورۃ الشعراء آیت ۱۲۹) (معارف القرآن ج ۶ ص ۵۴۰)

کسی کافر کے لئے استغفار کرنا ممنوع ہے

مسئلہ : کسی کافر کیلئے استغفار کرنا شرعاً ناجائز و ممنوع ہے۔(سورہ مریم آیت ۴۷) (معارف القرآن ج ۶ ص ۳۶)

خون کے بعض احکام

مسئلہ : جب کہ حرام صرف بہنے والا خون ہے تو جو خون ذبح کے بعد گوشت میں رہ جاتا ہے۔ وہ پاک ہے۔ فقہاء و صحابہ و تابعین اور امت کا اس پر اتفاق ہے۔ اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون بھی ناپاک نہیں۔ لیکن زیادہ ہو جائے۔ تو اس کو بھی دھونا چاہئے۔(جصاص)

مسئلہ : جس طرح خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے اور جس طرح تمام نجاسات کی خرید و فروخت بھی اور اس سے نفع اٹھانا حرام ہے۔ اس طرح خون کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اور اس سے حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حرام ہے۔ کیونکہ الفاظ قرآنی میں مطلقاً دم کو حرام فرمایا ہے۔ جس میں اس کے استعمال کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ اس سے عام حالات میں انتقال خون ناجائز معلوم ہوتا ہے۔ البتہ دواعلاج کے طور پر اضطراری حالت میں کسی انسان کا خون دوسرے میں منتقل کرنا اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لئے مردار کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحتہً مذکور ہے۔ اور اضطراری حالت کا مطلب یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو اور کوئی دوسری دوا اس کی جان بچانے کیلئے مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو اور خون دینے سے اس کی جان بچنے کا ظن غالب ہو۔ اور جب یہ حالت نہ ہو تو اس وقت محض ایک دوا کے طور پر خون دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ اعضاء انسانی کی پیوند کاری)(البقرہ آیت ۱۷۳) (معارف القرآن حصہ اول ص ۴۱۹)

میتہ کے بارے میں مسائل

مسئلہ : بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل ذبح مرجائے تو وہ ایسا ہے جیسے پتھر یا لاٹھی مارنے سے مرجائے۔ جس کو قرآن کریم کی دوسری آیت میں مَوْقُوْذَۃ کہا گیا ہے۔ اور حرام قرار دیا ہے۔ ہاں مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لیا جائے گا۔

مسئلہ : آج کل بندوق کی ایک گولی نوکدار بنائی گئی ہے۔ اس کے متعلق بعض

علماء کا خیال ہے کہ تیر کے حکم میں ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ بھی تیر کی طرح آلہ جارحہ نہیں بلکہ خارقہ ہے۔ جس سے بارود کی طاقت کے ذریعہ گوشت پھٹ جاتا ہے ورنہ خود اس میں کوئی دھار نہیں جس سے جانور زخمی ہو جائے اس لئے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح کے جائز نہیں۔

مسئلہ : آیت مذکورہ میں مطلقاً میتہ کو حرام قرار دیا ہے۔ اس لئے جس طرح اس کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے یہی حکم تمام نجاسات کا ہے کہ جیسے ان کا استعمال حرام ہے ان کی خرید و فروخت اور ان سے نفع بھی حرام ہے۔ یہاں تک کہ مردار جانور یا ناپاک کو چیز یا ختیار خود جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں۔ ہاں ایسی جگہ رکھ دے جہاں سے کوئی کتا بلی خود کھالے۔ یہ جائز ہے۔ مگر خود اٹھا کر ان کو کھلانا جائز نہیں (جصاص قرطبی وغیرہ)

مسئلہ : مردار جانور کے وہ اجزاء حرام ہیں۔ جو کھانے کے قابل ہیں اس لئے مردار جانور کی ہڈی۔ بال جو کھانے کی چیز نہیں وہ پاک ہیں۔ اور ان کا استعمال جائز ہے۔ آیت قرآن کریم وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○ میں ان جانوروں کے بالوں کو مطلقاً جائز الانتفاع قرار دیا ہے۔ ذبیحہ کی شرط نہیں۔ (جصاص) کھال پر چونکہ خون وغیرہ کی نجاست لگی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ دباغت سے پہلے حرام ہے۔ مگر دباغت دینے کے بعد حلال اور جائز ہے۔ احادیث صحیح میں اس کی مزید تصریح موجود ہے۔ (جصاص)

مسئلہ : مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں۔ ان کا استعمال کسی طرح جائز نہیں۔ اور خرید و فروخت بھی حرام ہیں۔

مسئلہ : یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں صابون وغیرہ جن میں چربی استعمال ہوتی ہے ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے مگر مردار کی چربی ہونے کا علم یقینی نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرامؓ ابن عمرؓ ابو سعید خدریؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے خارجی استعمال کی اجازت دی ہے۔ اس لئے اس کی خرید و فروخت کو بھی جائز رکھا ہے (جصاص)

ہے (جصاص)

مسئلہ : دودھ کا پنیر بنانے میں ایک چیز استعمال کی جاتی ہے جس کو عربی زبان میں اِنفحہ کہا جاتا ہے۔ یہ جانور کے پیٹ سے نکالی جاتی ہے۔ اس کو دودھ میں شامل کرنے سے دودھ جم جاتا ہے۔ اب اگر یہ جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں مذبوح جانور کا گوشت چربی وغیرہ سب حلال ہیں لیکن غیر مذبوح جانور کے پیٹ سے لیا جائے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اس کو پاک قرار دیتے ہیں۔ لیکن صاحبین امام ابو یوسفؒ و محمد اور ثوری وغیرہ اس کو ناپاک کہتے ہیں (جصاص، قرطبی)

یورپ اور دوسرے غیر اسلامی ملکوں سے جو پنیر بنا ہوا آتا ہے۔ اس میں غیر مذبوح جانوروں کا انفحہ استعمال ہونے کا احتمال غالب ہے۔ اس لئے جمہور فقہاء کے قول پر اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے قول پر گنجائش ہے۔ ہاں یورپ سے آئے ہوئے بعض پنیر ایسے بھی ہیں جن میں خنزیر کی چربی استعمال ہوتی ہے۔ اور ڈبہ پر لکھا ہوا ہوتا ہے وہ قطعاً حرام اور نجس ہے۔ (البقرۃ آیت ۱۷۳)

معارف القرآن حصہ اول ص ۴۱۸ تا ص ۴۱۹

اوقاف اور دوسری ملکی اور ملّی خدمات کا معاوضہ

مسئلہ : جو لوگ اوقاف کے نگران ہیں۔ یا مساجد و مدارس کے منتظم ہیں یا مسلم حکومتوں کے اداروں کے ذمہ دار ہیں یا ایسی ہی دوسری ملکی ملی خدمات جن کا انجام دینا فرض کفایہ ہے ان پر مامور ہیں۔ ان حضرات کے لئے بھی اعلیٰ اور افضل یہ ہے کہ اگر اپنے پاس اتنا اثاثہ ہو اور وہ اپنے بچوں کے ضروری اخراجات پورے کر سکتے ہوں۔ تو ان اداروں سے اور حکومت کے بیت المال سے کچھ بھی نہ لیں۔ لیکن اگر اپنے پاس گزارہ کے لئے مال موجود نہ ہو اور کسب کے اوقاف ان کاموں میں مشغول ہو جاتے ہوں تو بقدر ضرورت ان اداروں سے مال لے لینے کا اختیار ہے۔ مگر قدر ضرورت کا لفظ پیش نظر رہے۔ بہت سے لوگ ضابطہ کے طور پر کاغذی خانہ پوری کے لئے اپنا ماہانہ کچھ حصہ

مقرر کر لیتے ہیں۔ لیکن مختلف طریقوں سے اس سے کہیں زیادہ بے احتیاطی کے ساتھ اپنی ذات پر اور بال بچوں پر خرچ کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس بے احتیاطی کا مداوی بجز خوف الٰہی کے کچھ نہیں جسے اللہ کے محاسبہ کا خیال ہو۔ وہی ناجائز مال سے بچ سکتا ہے۔

(سورہ نساء آیت ۶) معارف القرآن حصہ دوم ص ۳۰۶ تا ۳۰۷

باب

الاکل والشّرب

کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے

اول یہ کہ کھانا پینا شرعی حیثیت سے بھی انسان پر فرض ولازم ہے۔ باوجود قدرت کے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ مرجائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو یہ شخص عنداللہ مجرم و گناہگار ہو گا۔

اشیاء عالم میں اصل اباحت و جواز ہے جب تک کسی دلیل سے حرمت ممانعت ثابت نہ ہو کوئی چیز حرام نہیں ہوتی

دنیا میں جتنی چیزیں کھانے پینے کی ہیں۔ اصل ان میں یہ ہے کہ وہ سب جائز حلال ہیں۔ جب تک کسی خاص چیز کی حرمت ممانعت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز کو جائز و حلال سمجھا جائے گا۔ اس کی طرف اشارہ اس بات سے ہوا کہ كُلُوا وَاشْرَبُوا کا مفعول ذکر نہیں فرمایا کہ کیا چیز کھاؤ پیو اور علماء عربیت کی تصریح ہے کہ ایسے موقع پر مفعول ذکر نہ کرنا اس کے عموم کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے کہ ہر چیز کھا پی

سکتے ہو بجزان اشیاء کے جن کو بالتصریح حرام کردیا گیا ہے۔

(احکام القرآن جصاص)

کھانے پینے میں اسراف جائز نہیں

کھانے پینے کی تو اجازت ہے بلکہ حکم ہے مگر ساتھ ہی اسراف کرنے کی ممانعت ہے۔

اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا' پھر حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں' ایک یہ کہ حلال سے تجاوز کرکے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے اور برتنے لگے۔ اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔

ایک آیت سے آٹھ مسائل شرعیہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کے کلمات سے آٹھ مسائل شرعیہ نکلے اول یہ کہ کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تک کسی چیز کی حرمت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز حلال ہے تیسرے یہ کہ جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع کردیا۔ ان کا استعمال اسراف اور ناجائز ہے چوتھے یہ کہ جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی اسراف اور سخت گناہ ہے۔ پانچویں یہ کہ پیٹ بھر جانے کے بعد اور کھانا ناجائز ہے۔ چھٹے یہ کہ اتنا کم کھانا جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہے ساتویں یہ کہ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔ آٹھویں یہ کہ جب کسی چیز کو جی چاہے تو ضروری اس کو حاصل کرے۔ یہ تو اس آیت کے فوائد دنیا ہیں' اور اگر طبی طور پر غور کیا جائے۔ تو صحت و تندرستی کے لیے اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں' کھانے پینے میں اعتدال ساری بیماریوں سے امان ہے۔

(سورۃ الاعراف آیت ۳۱) معارف القرآن ج ۳ ص ۵۴۳/۵۴۷

○☆○

کھانے پینے کے مسنون احکام

مسئلہ : لذیذ اور شیریں کھانے کا استعمال زھد کے خلاف نہیں ہے جبکہ اس کو حلال طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو اور اس میں اسراف اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو۔ ایسا ہی حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے (قرطبی)

مسئلہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ اور جب دودھ پیو تو یہ کہو اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ اس سے بہتر کا سوال اس لیے نہیں کیا کہ انسانی غذا میں دودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں ہے اس سے قدرت نے ہر انسان و حیوان کی پہلی غذا دودھ ہی بنائی ہے۔ جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے۔ (سورہ نحل آیت ۶۶)

(معارف القرآن ج ۵ ص ۳۴۶)

مسئلہ : قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ کھانے پینے اور تمام کاموں میں سنت اھل جنت کے اس عمل کے مطابق یہ ہے کہ بسم اللہ سے شروع کرے اور الحمد اللہ پر ختم کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ جب کوئی چیز کھائے پیے تو بسم اللہ سے شروع کرے اور فارغ ہو کر الحمد اللہ کہے۔

مستحب ہے کہ دعا کرنے والا آخر میں یہ کہا کرے وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور قرطبی نے فرمایا کہ سورہ صٰفّٰت کی آخری آیتیں بھی پڑھے یعنی سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۂ یونس آیت ۱۰) (معارف القرآن ص ۵۱۴ ج ۴)

دعوت طعام اور مہمان کے بعض آداب

مسئلہ : یہ عام حالات میں ہے۔ جہاں عادۃً مہمانوں کا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا میزبان کے لیے باعث کلفت ہو۔ خواہ اس لیے کہ وہ فارغ ہو کر اپنے دوسرے

کاموں میں لگنا چاہتا ہے' یا اس لیے کہ ان کو فارغ کر کے دوسرے مہمانوں کو کھلانا مقصود ہے اور جہاں حالات اور عادت سے یہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد مہمانوں کا دیر تک باہمی باتوں میں مشغول رہنا میزبان کے لیے موجب کلفت نہیں' وہ اس سے مستثنیٰ ہو گا۔ جیسا کہ آج کل پارٹیوں اور دعوتوں میں عام ہو گیا ہے۔

مسئلہ : مہمانوں کے اکرام اور خاطرداری کا کتنا بڑا اہتمام معلوم ہوا کہ اگرچہ مہمانی کے آداب سکھانا آپؐ کے فرائض میں تھا۔ مگر اپنا مہمان ہونے کی حالت میں آپؐ نے اس کو بھی مؤخر کیا۔ یہاں تک کہ خود حق تعالیٰ نے قرآن میں یہ آداب سکھانے کا اہتمام فرمایا۔ (سورہ احزاب آیت ۵۳' ۵۴) (معارف القرآن ج ۷ ص ۱۹۹)

کچھ آداب مہمانی و میزبانی

ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت (الذاریات آیت ۲۴ تا ۲۷) میں مہمان کے لیے چند آداب میزبانی کی تعلیم ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لیے کھانا لاتا ہوں بلکہ چپکے سے کھسک گئے اور ان کی مہمانی کے لیے اپنے پاس جو سب سے اچھی چیز کھانے کی تھی یعنی بچھڑا ذبح کیا' اس کو بھونا اور لے آئے اور دوسرے یہ کہ لانے کے بعد مہمانوں کو اس کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلاتے۔ بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا (فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ) تیسرے یہ کہ مہمانی پیش کرنے کے وقت انداز گفتگو میں کھانے پر اصرار نہ تھا بلکہ فرمایا (اَلَا تَاْكُلُوْنَ) کیا آپ کھائیں گے نہیں۔ اشارہ اس طرف ہوا کہ اگرچہ آپ کو حاجت نہ ہو مگر ہماری خاطر سے کچھ کھایئے۔

(سورۂ ذٰریٰت آیت ۲۴ تا ۳۰) (معارف القرآن ج ۸ ص ۱۹۸)

جس شہر میں حرام کھانے کی اکثریت ہو وہاں کیا کرے

مسئلہ : جس شہر یا جس بازار' ہوٹل میں اکثریت حرام کھانے کی ہو وہاں کا کھانا بغیر

تحقیق کے کھانا جائز نہیں۔ (سورۂ کھف آیت ۲۰) (معارف القرآن ج پنجم ص ۵۶۰)

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے

وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو۔ اس کی تین صورتیں متعارف ہیں۔

اول :۔ یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے یہ صورت باتفاق و باجماع امت حرام ہے اور یہ جانور میتہ ہے اس کے کسی جزو سے انتفاع جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو لیکن بوقت ذبح اس پر اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں پیروں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بکرے' مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں لیکن ذبح کی وقت اس پر اللہ ہی کا نام پکارتے ہیں۔ یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے لیے چھوڑ دیا جائے نہ اس سے کام لیں نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو بلکہ اس کے ذبح کرنے کو حرام جانیں اس قسم کے جانور کو بحیرہ یا سائبہ کہا جاتا ہے ان کا یہ فعل تو بنص قرآن حرام ہے مگر ان کے اس حرام عمل سے اس جانور کو حرام سمجھنے کے عقیدہ سے یہ جانور حرام نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو حرام سمجھنے میں ان کے عقیدہ باطلہ کی تائید و تقویت ہوتی ہے اس لیے یہ جانور عام جانوروں کی طرح حلال ہے۔

مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا' اسی کا مملوک ہے اگرچہ وہ اپنے غلط عقیدے سے سمجھتا ہے کہ میری ملک سے نکل کر غیر اللہ کے لیے وقف ہو گیا مگر شرعاً اس کا یہ عقیدہ باطل ہے اور یہ جانور بدستور اس کی ملک ہے۔ اب اگر وہ شخص خود اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا ہبہ کر دے تو اس کے لیے حلال ہے۔

بعض جاہل مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا عمل کرتے ہیں کہ بکرا یا مرغا چھوڑ دیتے ہیں اور مزارات کے مجاورین کو اختیار دیتے ہیں وہ ان کو فروخت کر دیتے ہیں تو جو لوگ ان جانوروں کو ان لوگوں سے خریدیں جن کو اصل مالک نے اختیار دیا ہے ان کے لیے ان کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا اور فروخت کرنا سب حلال ہے۔

نذر لغیر اللہ کا مسئلہ:۔ حیوانات کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً مٹھائی وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر (منت) کے طور سے ہندو لوگ بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں۔ حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام کہا ہے اور اس کے کھانے پینے، دوسروں کو کھلانے اور بیچنے..... خریدنے سب کو حرام کہا ہے۔ کتب فقہ بحرالرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں یہ مسئلہ قیاسی ہے جس کو نص قرآن متعلقہ حیوانات پر قیاس کیا گیا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اضطراری و مجبوری کے احکام:۔ مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو۔ معمولی تکلیف یا ضرورت سے مضطر نہیں کہا جا سکتا۔ جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان جاتی رہے گی اس کے لیے دو شرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھا لینے کی گنجائش دی گئی ہے ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لیے کافی ہو پیٹ بھر کر کھانا یا قدر ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

قرآن عزیز نے اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے کھانے کو لَآ اِثْمَ عَلَيْهِ فرمایا مطلب یہ کہ یہ چیزیں تو اپنی جگہ اب بھی حرام ہیں مگر اس کھانے والے سے بوجہ اضطرار کے استعمال حرام کا گناہ معاف کر دیا گیا۔

حالت اضطرار میں دوا کے طور پر حرام چیزوں کا استعمال

ہر حرام و ناپاک دوا کا استعمال خواہ کھانے پینے میں ہو یا خارجی استعمال میں، ان پانچ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو۔
(۲) کوئی دوسری حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔
(۳) اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔
(۴) اس کے استعمال سے.....لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔
(۵) قدر ضرورت سے زاید اس کو استعمال نہ کیا جائے۔

عام علاج یا بیماری میں حرام چیز کا استعمال

اکثر فقہاء نے فرمایا کہ بغیر اضطرار اور ان تمام شرائط کے جو اوپر مذکور ہوئیں حرام دوا کا استعمال جائز نہیں کیونکہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے حرام میں شفا نہیں رکھی۔

(سورۂ بقرہ آیت ۱۷۳)(معارف القرآن ص ۴۲۱ تا ۴۲۶ ج ۱)

تحریم خنزیر

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت خنزیر کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہے لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ کھانا حرام ہی رہے لیکن خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی، صرف چمڑا سینے کے لیے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے۔ (جصاص قرطبی) جلد اول ص ۴۲۱